فیض احمد فیض رومان سے انقلاب تک

محمد نجم الحسن عارض

پٹنہ، بہار

ملخص

اردو شاعری میں فیض احمد فیض کی ادبی شخصیت شیلی سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ فیض احمد فیض کے کلام میں رومان اور محبت و بغاوت کے دھارے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کر کے دیکھنا گویا قوس قزح کے رنگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں خود فیض کا اعتراف ایک حقیقت کا اقرار ہے۔ پہلے مجموعہ ''نقش فریادی،، میں ان کا ذہن غم عشق اور غم روزگار کے درمیان بٹا اور الجھا ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف تو ایک نظم کے ذریعہ اپنے محبوب کو متنبہ کیا۔ ''مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ،، لیکن دوسری طرف اپنا موضوع سخن اسی محبت کو قرار دیا۔ فیض کی مدت شاعری میں ''نقش فریادی'' سے ''زنداں نامہ'' تک فاصلہ بہت طویل نہیں، لیکن اس فاصلے کی ارتقائی کوشش اور منزل کو چھو لینے کی پرواز میں بڑی گیرائی اور توانائی ہے۔ جعفر علی خاں اثر لکھنوی کہتے ہیں کہ فیض احمد فیض کی شاعری ترقی کے مدارج طے کر کے اب اس نقطۂ عروج پر ہے جہاں تک شاید ہی کسی دوسرے ترقی پسند شاعر کی رسائی ہوئی ہو۔ تخیل نے صناعت کے جوہر دکھائے ہیں اور معصوم جذبات کو حسین پیکر بخشا ہے۔

☆☆☆☆☆

میتھو آرنلڈ نے شیلی کے بارے میں کہا کہ وہ ایک حسین فرشتہ ہے جو اپنے بال و پر ایک خلا میں پھڑ پھڑا رہا ہے۔ لیکن برنارڈ شا نے انگریزی شعراء میں سب سے زیادہ شیلی کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے اپنی فکر کا ایک پیش رو قرار دیا۔ آرنلڈ شاعر اور مفکر سے زیادہ ایک ادبی ناقد تھا، شیلی کی شخصیت میں رومانی شعریت اور سماجی تفکر کے عناصر ملے جلے تھے۔ آرنلڈ کا تبصرہ شیلی کی شعریت پر ہے۔ اسی طرح شیلی کے متعلق انگریزی اد ب کے دوسرے برآوردہ شخصیتوں کی آراء شیلی کی ادبی شخصیت کو دو حصوں میں تقسیم کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک رومانی

شاعراوردوسرے انقلابی مفکر۔آرنلڈ کی رائے کا تجزیہ کرنے سے واضح ہوگا کہ اس نے شیلی کو حسین فرشتہ کہہ کر اس کے فن کی تعریف کی ہے۔اور خلاء میں بال و پر پھڑ پھڑانے والا قرار دے کر اس کی فکر کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ دوسری طرف برنارڈ شا کے نزدیک شیلی کی شاعری کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے ایک سماجی انقلاب کے گیت گائے ہیں اور مغربی معاشرے کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔اردو شاعری میں فیض احمد فیض کی ادبی شخصیت شیلی سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔فیض احمد فیض کے کلام میں رومان اور محبت و بغاوت کے دھارے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کر کے دیکھنا گویا قوس قزح کے رنگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہوگا۔اس سلسلے میں خود فیض کا اعتراف ایک حقیقت کا اقرار ہے۔پہلے مجموعہ ''نقش فریادی،، میں ان کا ذہن غم عشق اور غم روزگار کے درمیان بٹا اور الجھا ہوا تھا۔چنانچہ انہوں نے ایک طرف تو ایک نظم کے ذریعہ اپنے محبوب کو متنبہ کیا۔''مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ نانگ،، لیکن دوسری طرف اپنا موضوع سخن اسی محبت کو قرار دیا۔غم کائنات اور غم ذات کے درمیان فیض کا پیچ و تاب ملاحظہ کیجئے؛

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ

اور دیکھئے:

یوں بہار آتی ہے امسال کہ گلشن میں صبا
پوچھتی ہے گزر اس بار کروں یا نہ کروں
گویا اس سوچ میں ہے دل میں لہو بھر کے گلاب
دامن وجیب کو گلنار کروں یا نہ کروں

اس طرح کی بہت ساری مثالیں ''نقش فریادی'' و ''دست صبا'' میں جا بجا ملتی ہیں۔انہیں پڑھ کر اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ فیض کے فن شاعری کا مقصد جسم اور روح دونوں کی آزادی ہے اور یہاں آزادی کا مفہوم محض آزادی کا اعلان یا آزادی کا منشور اور دستور نہیں بلکہ ایسی حقیقی آزادی جہاں انفرادی اور اجتماعی طور پر فنکاروں کو خود بخود جمالیاتی فرحت کا حصول ہوا اور دوسروں تک اس کے ابلاغ کا ماحول اور مواقع میسر ہوں یہی وجہ ہے کہ برطانوی سامراج دستوری طور پر ختم ہوا لیکن حقیقی آزادی کی منزل فیض کو اب بھی بہت دور معلوم ہوتی ہے۔

چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

صرف ایک مصرع نہیں فیض کی تمام شاعری کی آواز ہے لیکن انقلاب کے لیے نعرہ لگانا اور بات ہے اور اس کے لیے دار و رسن قبول کرنا اور بات۔ اور نعرہ لگانے والے خود اپنے نعروں کی حقیقت سے آشنا نہیں ہوتے اور فنکار یہ جانتا ہے کہ اس انقلاب کے لیے خلوص اور عمل دونوں کی ضرورت ہے۔ ہماری نام و نہاد انقلابی شاعری کا بڑا حصہ انقلاب کا نعرہ ہے، انقلاب نہیں۔

فیض کی شاعری میں ارمانوں اور خوابوں کا خون ملتا ہے، یہ شکست کا حسین ترین گیت ہے، لیکن اس شکست میں قنوطیت اور فرار نہیں ہے، اس میں انسانی تاریخ کا المیہ پوشیدہ ہے تاریخی قوتوں کے ادراک اور دکھ درد کے کٹ جانے کے احساس نے اسے بیمار نہیں ہونے دیا پھر بھی ان کی شاعری آگے بڑھ کے اپنی شدید داخلیت کی وجہ سے زمانے کے سنگین مطالبات کو پورا نہیں کر سکتی۔

اس شبستان میں میلے کچیلے لوگوں کا گزر مشکل ہی سے ہوتا ہے، فیض کے یہاں جذبات اور images میں آہنگی ہے۔ جذبات قاری کو images کی طرف بڑھاتے ہیں اور images جذبات کی طرف۔ ان میں کوئی فصل نہیں۔ اقبال نے اپنے فرزند جاوید کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ۔

میں شاخ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر
اسی ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر

فیض بھی اپنے ابنائے وطن بلکہ پوری دنیا کے یاران نکتہ داں کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت وثوق کے ساتھ اپنے مخصوص اور معتزلانہ انداز میں کہہ رہے ہیں!

پہلو کہ مفت لگا دی ہے خون دل کشید
گراں ہے اب کہ مئے لالہ فام کہتے ہیں

فیض کی مدت شاعری میں ''نقش فریادی'' سے ''زنداں نامہ'' تک فاصلہ بہت طویل نہیں، لیکن اس فاصلے کی ارتقائی کوشش اور منزل کو چھو لینے کی پرواز میں بڑی گیرائی اور توانائی ہے۔ جعفر علی خاں اثر لکھنوی کہتے ہیں

کہ فیض احمد فیض کی شاعری ترقی کے مدارج طے کر کے اب اس نقطۂ عروج پر ہے جہاں تک شاید ہی کسی دوسرے ترقی پسند شاعر کی رسائی ہوئی ہو۔تخیل نے ضاعت کے جو ہر دکھائے ہیں اور معصوم جذبات کو حسین پیکر بخشا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پریوں کا ایک غول ایک طلسمی فضا میں محو پرواز ہے اور قوس قزح کی عکاس بادلوں سے ست رنگی بارش ہو رہی ہے بالکل ایسا منظر جو میں نے ایک شام کو شاری نگر سے نشاط باغ جاتے ہوئے دیکھا تھا پانی برس کر کھل گیا تھا اور سامنے پہاڑیوں پر قوس قزح قطار در قطار تا حد نظر ایک سلسلہ تھا اور ان سب کو اپنے حلقے میں لیے ہوئے آسمان پر ایک بڑی قوس قزح !فیض کا سب سے بڑا امتیاز ہے کہ انہوں نے انقلابی آہنگ پر جمالیاتی احساس کو اور جمالیاتی احساس پر انقلابی آہنگ کو قربان نہیں کیا بلکہ ان دونوں کی آمیزش سے ایک نیا شاعری رچاؤ پیدا کیا ان کی شاعری میں جو دلآویزی، دل آسائی، نرمی اور قوت شفا ہے وہ اس عہد کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔

فیض اپنی شاعری میں تشبیہوں کے استعمال میں بڑے محتاط نظر آتے ہیں۔انہوں نے فرسودہ تشبیہوں اور عام سطح کے استعاروں سے ہمیشہ گریز کیا اس کے برعکس وہ نئے تلازمے تلاش کرتے ہوئے دکھائی دیے ہیں اور اسے انہوں نے نہایت دلکشی و دل فریبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

یہ شعر ملاحظہ ہو:

رات یوں دل میں تیری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیس صحراؤں میں ہولے سے چلے بادنسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے

فیض کی شاعری کا ایک بڑا وصف ان کا اعتدال پسندانہ رویہ ہے انہوں نے اپنی غزل میں تلخی حیات اور تلخی حالات کا ذکر تو ضرور کیا ہے لیکن کبھی بھی اس کی کڑواہٹ میں اپنی شاعری کو ڈبویا نہیں۔ان کے یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی سطح پر بھی جھنجھلاہٹ نظر نہیں آئی ہے اس کے علاوہ ان کے یہاں زندگی سے بیزاری احساس نہیں ملتا بلکہ ایک قسم کی رجائیت ملتی ہے جس سے ان کی غزل کے حسن میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔